اسلام کیا چاہتا ہے؟

رئیس العلماء آیۃ اللہ سید کاظم نقوی صاحب قبلہ مدظلہ، علی گڑھ

انسان کا فریضہ ہے کہ رُوئے زمین پر رہ کر کام کرے، کوشش کرے، محنت ومشقت سے جان نہ چُرائے، زمین کو آباد کرے، خدائی اسرار ورموز کے چہرے سے جہالت کی نقاب ہٹائے، اس کی ہمہ گیر اصلاح کرنے کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔

لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس اہم فریضہ کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ علم کے بغیر انسان اتنا بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اچھا کیا اور برا کیا ہے؟ مفید کیا اور نقصان رساں کیا ہے؟ یونہی تندرستی کے بغیر اس کا دماغ صحیح کام نہیں کرسکتا، وہ مسائل کو ٹھیک طرح سُلجھا نہیں سکتا، وہ کوئی بھاری کام کرنے کی سکت نہیں رکھتا۔ اسی طرح جب تک انسان کے ہاتھ میں پیسہ نہ ہو، اس کی زندگی کے باعزت طریقہ پر بسر ہونے کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی، ترقی اور اصلاح کا کوئی منصوبہ عملی جامہ نہیں پہن سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم، دولت اور تندرستی تین ایسے اہم عناصر ہیں جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ ان کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بظاہر جہالت، بیماری اور تنگدستی سے زیادہ خطرناک انسانیت کا کوئی دوسرا دشمن نہیں ہے۔ یہ چیزیں انسان کے سکون کو اس سے چھین لیتی ہیں۔ اُسے چاہئے کہ اپنی تمام طاقتوں کو سمیٹ کر نہایت سچائی، باہمی خلوص، مضبوط ارادے، مکمل احتیاط، آپس کے تعاون اور مشورے کے ساتھ ان تینوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔

اسلام نے ان کی مکمل بیخ کنی کے لئے انتہائی مؤثر اور طاقتور ذرائع اختیار کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اگر انسان اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا تو بہت جلد معمولی سی کوشش کرکے، چھوٹا سا راستہ طے کرکے منزل مقصود تک پہنچ جاتا، وہ نہ جاہل رہتا، نہ بیماری اس کے پاس پھٹکتی اور نہ غریبی وتنگ دستی۔

دنیا کی حکومتوں کے بڑے بڑے سربراہ اپنی دھواں دھار تقریروں میں جہالت، بیماری اور تنگدستی کے متعلق باتیں تو برابر کرتے ہیں لیکن کسی طرح انسانیت کو ان تینوں سے چھٹکارا نہیں ملتا۔

۱۔ علم هی علم

اسلام جہالت اور نادانی کا جانی دشمن ہے۔ وہ جہاں بھی ہو، جس شکل وصورت میں بھی ہو، اسلام نے اس کے نیست ونابود کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شرک کی جہالت کا مقابلہ توحید کے ذریعہ، اندھی تقلید کا مقابلہ دلیل وبرہان کے ذریعہ، بیہودہ عادتوں اور موہومہ خرافات کا مقابلہ صحیح اور عاقلانہ اداب ورواسم کے ذریعہ کرتا ہے۔ یقینا سب سے پہلے اسلام نے جہالت سے زبردست جنگ شروع کی۔ اس نے لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو اہم قرار دیا، قلم کے مرتبے کو بلند کیا۔ سب سے پہلی آسمانی آواز جو وحی اول کی صورت میں پیغمبر اسلامؐ کے گوش زد ہوئی، وہ یہ ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

’’پڑھو اپنے پالنے والے کے نام کے سہارے جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو پیدا کیا خون سے، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا اکرم فرما ہے جس نے قلم کے ذریعہ پڑھایا۔ اس نے

انسان کو وہ سب کچھ پڑھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

خداوند عالم نے ان الفاظ کے ذریعہ اپنے پیغمبر کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ پڑھنا علم کی سیڑھی ہے۔ اس کے بعد ہدایت کی جاتی ہے کہ خدا کے نام کا سہارا لیں۔ اس طرح قرآن مجید نے پڑھنے کی قدر و منزلت کو نمایاں کیا ہے، پھر اس نے پہلے عمومی خلقت اور اس کے بعد انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی کے پیچھے پیچھے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھانے کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی درحقیقت انسان کا وجود اور علم و قلم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس سے شاید اس بات کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے کہ اسلام اور خدا کی نظر میں جاہل شخص کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اسلام جس طرح بغیر کسی قید کے پڑھنے کا حکم دیتا ہے، اسی طرح بغیر کسی قید کے وہ علم کا بھی طالب ہے۔ وہ اس سلسلے میں کسی محدودیت کا قائل نہیں ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے:

''هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۔''

(سورۂ زمر:۹)

''آیا جاننے والے اور نہ جاننے والے ایک دوسرے کے برابر ہوسکتے ہیں۔''

''يَرْفَعِ اللهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔'' (سورۂ مجادلہ:۱۱)

''خدا تم لوگوں میں سے ان اشخاص کے مرتبہ کو بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا۔''

قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے اس آیۂ مبارکہ کے معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے علم سے مراد ہر ایسی چیز کا جاننا ہے جو ان فرائض کے انجام دینے میں انسان کی مدد کرے جو اس کے ذمہ عائد کئے گئے ہیں۔ یہ فرائض دنیا سے بھی متعلق ہوسکتے ہیں اور آخرت سے بھی۔ اس اعتبار سے اسلام ہر اس علم کا طالب ہے جو انسان کو فائدہ پہنچائے، انسانیت کے آگے بڑھانے کا موجب ہو اور اس کو خوش حال بنائے، اس کی حقیقی مصلحتوں کے مطابق ہو، جن کا یقین بس اسی ذات کی طرف سے ہوسکتا ہے جو انسانیت کے واقعی، فطری تقاضوں سے مکمل طور پر واقف ہو۔

یہ بات بالکل صحیح ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور دوسرے تمام انبیاء و مرسلینؑ کے بھیجے جانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ لوگ علومِ طبیعیہ (Natural Sciences) اور خالص مادّی فنون کو حاصل کریں، کیونکہ خود انسان کی فطرت میں جستجو اور کھوج کرنے کا جذبہ رچا بسا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اسے اپنی زندگی میں طرح طرح کی چیزوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ ضرورتوں کا یہ احساس اور تحقیق کرنے کا فطری جذبہ بہت بڑا محرک ہے کہ وہ مادی علوم و فنون کو حاصل کرے۔

بنیادی طور پر قرآن کریم، پیغمبر اسلامؐ بلکہ تمام انبیاء و مرسلینؑ کا مرکزِ توجہ بس دو چیزیں تھیں ایک اُن کے عقائد و افکار، دوسرے ان کی سماجی زندگی کے لئے صحیح ترین اصول و قوانین۔ یہ دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کی گتھیاں ذہن انسانی نہیں سلجھا سکتا، کیونکہ اس کا دائرۂ عمل محدود ہے، خود انسانی وجود اس کے لئے ایک معمے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انبیاء و مرسلینؑ کی تمام کاوشوں کا اصلی اور ابتدائی مرکز لوگوں کے عقائد کا سُدھارنا اور انھیں صحیح انسانی زندگی کا راستہ دکھانا ہے۔

''الٓر۔ كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۔'' (سورۂ ابراہیم:۱)

''اے میرے نبی! یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہارے اوپر اس لئے نازل کیا ہے کہ تم تمام لوگوں کو ان کے پالنے والے کی اجازت سے اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اس خدا کے راستہ پر انھیں چلاؤ جو ہر چیز پر تسلط رکھنے والا اور قابلِ تعریف و ستائش ہے۔''

لیکن یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ افرادِ انسانی اپنی زندگی کے اعتقادی، قانونی اور اخلاقی شعبوں میں انبیاء و مرسلینؑ کے ہدایات سے بھرپور فائدہ اسی صورت میں حاصل کرسکتے تھے، جب کہ اُن کے دماغوں کو ان اسرار و رموز کی طرف متوجہ کیا

جائے جو موجوداتِ عالم کے دلوں کی گہرائی میں چھپے ہوئے ہیں، وہ ان اصول وقوانین کو جاننے کی کوشش کریں جو اس پوری کائنات کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں، وہ ان اثرات اور خاصیتوں کا پتہ چلائیں جو ان موجودات کے دامن سے لپٹی ہوئی ہیں۔ اس طرح قرآن مجید، پیغمبر اسلامؐ اور دوسرے پیغمبروں نے بواسطہ ذہنِ انسانی کی زمین کو نیچرل سائنس اور دیگر مادّی علوم وفنون کی پیش رفت کے لئے ہموار کیا ہے۔

ہمارے ہاتھوں میں یہ قرآن کریم ہے جسے ہم مسلمان آسمانی کتاب سمجھتے ہیں، وہ ایک طرف اپنا منصبی فریضہ یہ قرار دیتا ہے کہ لوگوں کے عقائد وافکار کی اصلاح کرے، انہیں یہ بتائے کہ زندگی بسر کرنے کا صحیح مطابق فطرت طریقہ کیا ہے، دوسری طرف اسی مقصد کے حاصل کرنے کی غرض سے، اسی شعبہ میں ذہنِ انسانی کے خوب تیز کرنے کے لئے وہ کبھی زمین وآسمان اور ستاروں کی منظم خلقت میں غور وخوض کرنے کی دعوت دیتا ہے، کبھی پودوں، جانوروں اور پہاڑوں کے دامن میں چھپے ہوئے بھیدوں کی طرف واضح اشارے کرتا ہے۔ اسی قرآن میں کہیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ بادلوں، بارشوں، سمندروں اور ہواؤں کے وجود کی مصلحتیں بتائی جارہی ہیں، کسی جگہ پر بیان ہورہا ہے کہ چاند، سورج، ستاروں، دن رات، ماہ وسال اور گردش زمین کی پیدائش کا فلسفہ کیا ہے، کبھی خصوصی طور پر انسان کی خلقت کا تذکرہ کیا جارہا ہے، اُسے ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ اپنی منزل کمال تک کیونکر پہنچے۔

اس بات کا کون انکار کرسکتا ہے کہ قرآن مجید فزکس، کیمسٹری اور نیچرل سائنس کی کتاب نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شاید ہی اس کا کوئی ایسا سورہ ہو جس میں اس عالم خلقت کے اسرار ورموز کی طرف معنی خیز اشارے نہ کئے گئے ہوں، جن کا انطباق اسی نیچرل سائنس کے مسائل پر ہوسکتا ہے۔ البتہ قرآن مجید کا مقصد اصلی یہی ہے کہ لوگوں کے دماغ کو خدا کی عظمت وقدرت اور اس کے علم وحکمت کی جانب متوجہ کیا جائے، لیکن اسے کیا کیا جائے کہ یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے جب کہ انسان اس عالم کائنات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے، ان موجودات کے مقاصد اور فوائد، اُن کے عجیب وغریب نظم وضبط کے عمق تک پہنچنے کی کوشش کرے جس کا دوسرا اصطلاحی نام نیچرل سائنس ہے۔ یہی راز ہے کہ قرآن مجید میں مصر کے مشہور ومعروف عالم طنطاوی کے نزدیک ساڑھے سات سو آیتیں ایسی موجود ہیں جن میں علوم طبیعیہ کے مسائل کی طرف واضح اشارات ملتے ہیں۔ (تفسیر جواہر، ج ا ص ۷۷)

قرآن کریم نے موجودات کے اسرار ورموز کی کھوج کرنے کی جانب انسانی ذہن کو توجہ دلانے کا ایک لطیف طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اس کی بہت سی آیتوں میں تتمۂ کلام علم اور عالم کا تذکرہ قرار دیا گیا ہے۔ نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل دو آیتوں کو پیش کیا جاتا ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعَالِمِيْنَ۔

’’اور اس کے وجود کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش، تمہارے جدا جدا ناک نقشے، تمہاری الگ الگ زبانیں ہیں۔ ان چیزوں میں خدا کے علم وحکمت کی نشانیاں ہیں تمام عالموں کے واسطے۔‘‘ (سورۂ روم: ۲۲)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ۔ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ (سورۂ فاطر: ۲۸-۲۷)

’’کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقینا خدا نے آسمان سے پانی برسایا، اس کے ذریعہ ہم نے طرح طرح کے پھل پیدا کئے، اسی زمین میں رنگ برنگ کے پہاڑی راستے ہیں، سفید سفید، لال لال اور کالے کالے بھبھوکا جیسے، گوناگوں آدمیوں، چوپاؤں اور مویشیوں کو بھی ہم ہی نے پیدا کیا، یونہی ہمارے بندے بھی کئی قسم کے ہیں، خدا سے بس دانشور اشخاص ہی ڈرتے ہیں۔‘‘

ان مذکورہ دو آیتوں میں جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا جاننا نیچرل سائنس ہی کا ایک شعبہ ہے، کیونکہ کیمسٹری ہی کا فن یہ بتاتا ہے کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن سے پانی کیونکر تیار ہوتا ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے اثرات وخواص کیا ہیں۔ علم النبات (Botany) سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے طرح طرح کے پودے کیونکر اُگتے اور ان سے رنگ برنگ کے پھل کیونکر ہاتھ آتے ہیں جیولوجی (Geology) ان سر بفلک پہاڑوں کے سبب خلقت کی طرف راہنمائی کرتا ہے، وہی ان کے وجود کا فائدہ بتانے کا ذمہ دار ہے، ان پتھروں کے الگ الگ رنگ ہونے کی علّت کیا ہے؟ انسانوں اور جانوروں کی نسل کے اختلاف کا فلسفہ کیا ہے؟ ان کی شکلوں اور رنگتوں کے گونا گوں ہونے کا سرچشمہ کیا ہے؟ ان کی صلاحیت کے فرق کا موجب کیا ہے؟ ان تمام سوالوں کا جواب بس زولوجی (Zoology) اور انتھروپولوجی (Anthropology) کا علم دے سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان دو آیتوں میں ''علماء'' سے مراد اگر وہی طبقہ قرار دیا جائے جس کو رسمی طور پر ''علماء دین'' کہا جاتا ہے تو ان کا تتمہ اپنے قبل کے مضمونِ آیت سے غیر مربوط ہوجائے گا۔ اس کے مراد وہی لوگ ہیں جو موجوداتِ عالم کے اسرار ورموز سے باخبر ہیں، جنھوں نے اسی راستے پر چل کر وجودِ خدا کو مانا ہے اور اس کی بارگاہ میں سر نیاز جھکایا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ یہی نیچرل سائنس ایسا علم ہے جس میں اس دنیا کے مادی موجودات کی خاصیتوں اور ان کے درمیانی تعلقات کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے۔ اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ ان آیتوں میں ضمنی طور پر جو علم کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کا تعلق انسان کے سائنسی معلومات سے ہے، لیکن بس ایسے معلومات جن کے حصول کا مقصد خدا کی معرفت ہو، نہ کہ مقصدِ حصول صرف دنیا کے محدود فائدے ہوں۔

احادیث سے کیا پتہ چلتا ہے؟

قرآن مجید کے دائرے سے نکل کر جب حدیث تک بات پہنچتی ہے تو پیغمبر اسلامؐ اور دیگر راہنمایان دین کے ارشادات راہنمائی کے لئے آگے بڑھتے ہیں۔

آنحضرتؐ کا فرمان ہے:

''اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ''

''علم طلب کرو اپنے گہوارے سے اپنی قبر تک۔''

مقصود یہ ہے کہ زمانے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ چاہے بچپنا ہو، چاہے جوانی ہو اور چاہے بڑھاپا، ہر حصۂ عمر میں علم حاصل کرنا انسان کا فرض ہے۔

کبھی ارشاد فرمایا: ''أطلبوا الْعِلمَ وَلَوْ بِالصِّين۔''

''علم حاصل کرو چاہے اس کام کے لئے تمہیں چین جانا پڑے۔''

اگر علم سے مراد یہی رسمی علم دین ہوتا، جسے ہم آپ ''علم دین'' کہتے ہیں تو اس کا مرکز اس علم کے صادر ہونے کے وقت مدینۂ منورہ تھا، جہاں پیغمبر اسلامؐ تشریف فرما تھے، اس لئے مناسب یہ تھا کہ یوں ارشاد فرمایا جاتا کہ ''اطلبوا العلم ولو من الصین'' علم طلب کرو، خواہ اس کے لئے چین سے آنا پڑے۔''

امیر المومنین علی ابن طالبؑ سے فرمایا:

الحکمة ضالّة المومن، فخذ الحکمة ولو من اهل النفاق۔

''ہر مضبوط و مستحکم بات مومن کی گم شدہ چیز ہے، لہٰذا اسے حاصل کرو چاہے وہ منافقین کے پاس ہو۔''

دوسرے لفظوں میں یوں فرمایا:

خذ الحکمة انّی کانت۔ ''مضبوط و مستحکم بات کہیں بھی ہو اُسے اپنے قبضہ میں کرلو۔'' (کلمات قصار)

اسلام میں اولاد کے جو حقوق ان کے باپ کے ذمہ قرار دیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک واجب الادا حق یہ بھی ہے کہ وہ ان کی تعلیم کا انتظام کرے۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ باپ پر اس کی اولاد کے تین حق ہیں۔ پہلا حق یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی اچھا سا نام تجویز کرے، دوسرا حق یہ ہے کہ اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے، تیسرا حق یہ ہے کہ جب ازدواج کے قابل ہوجائے تو

شادی کا انتظام کرے۔ (مکارم الاخلاق، ص ۱۱۶)

آپ دیکھ رہے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ان حقوق کے لحاظ سے بیٹے اور بیٹی کے درمیان کوئی فرق نہیں قرار دیا ہے، کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ لڑکوں کی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا بھی ان کے باپ کو انتظام کرنا چاہئے، البتہ اسلامی حدود سے قدم باہر نہ نکلنا چاہئے۔

اس کے علاوہ تحصیل علم کے سلسلے میں عورت اور مرد کے درمیان صریحی طور پر نظر آتا ہے کہ اسلام نے کوئی فرق نہیں قرار دیا ہے۔ آنحضرتؐ کا شہرۂ آفاق ارشاد ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلیٰ کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ۔

''علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کا فریضہ ہے۔''

(معالم الدین)

اختیاری ہی نہیں، بلکہ اجباری تعلیم

حقیقت یہ ہے کہ صرف اخلاقی نصیحتوں کے ذریعہ عمومی طور پر لوگوں کو تعلیم یافتہ نہیں بنایا جاسکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حکومتوں کی مشینری کو حرکت میں آنا چاہئے، اُن کا فریضہ ہونا چاہئے کہ وہ اپنی زبردست طاقت کے ذریعہ تعلیم کو ہمہ گیر اور عمومی بنائیں۔ کم از کم ابتدائی، بنیادی تعلیم حاصل کرنا ان کی طرف سے جبری قرار پانا چاہئے۔ کیونکہ تقریباً ہر سماج میں ایسے افراد موجود ہوتے ہیں جو باوجودیکہ کسی کام کے ضرر اور نقصان کے پہلوؤں سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ان کے بالمقابل کچھ دوسرے خیالی اور موہوم فائدے ان کی نظر میں ہوتے ہیں جنھیں ملحوظ رکھتے ہوئے وہ شوق سے اس کام کو انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو خوب جانتے ہیں کہ فلاں کام کتنا فائدہ مند ہے، اس کے نتائج کتنے خوشگوار اور خوش آئند ہیں، مگر اس کے باوجود کاہلی، سستی، جسم پروری اور ایسی ہی دوسری رکاوٹوں کی بنا پر وہ اس کے انجام دینے سے گریز کرتے ہیں، اس لئے جس طرح کسی مفید کڑوی دوا کو زبردستی بیماروں کے حلق سے نیچے اُتارنا اور انھیں ان کی ایسی پسندیدہ غذائیں نہ دینا ضروری ہے جو اُن کے لئے سم قاتل کی حیثیت رکھتی ہوں، اسی طرح اس سے ملتے جلتے مقامات پر حکومتِ اسلامیہ کا فریضہ ہے کہ وہ عمومی مصلحتوں کو لحاظ کرتے ہوئے، سماجی عدالت وانصاف کے تحفظ کی خاطر لوگوں کی سطح ذہن بلند کرنے کی غرض سے اپنی مخصوص قوت اور طاقت سے فائدہ اُٹھائے۔

یہی راز ہے کہ ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام نے ایک طرف لوگوں کو نہایت پرزور طریقہ سے علم حاصل کرنے کا شوق دلایا، دوسری طرف اس کے راستہ میں جو رکاوٹیں موجود تھیں، انھیں ہٹانے کی بھرپور کوشش کی، تیسری طرف اس نے اپنی حکومت، بلکہ اصولی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہر برسر اقتدار حکومت کا فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ ہر قسم کی جہالت سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہوجائے۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کا ارشاد ہے:

ایھا الناس ان لی علیکم حقًا ولکم علیّ حق فاما حقکم علیّ فالنصیحۃ لکم وتوفیر فیئکم وتعلیمکم کیلاتجھلوا وتادیبکم کماتعلموا۔

''اے لوگو! میرا تمہارے اوپر اور تمہارا میرے اوپر ایک حق ہے، تمہارا میرے اوپر حق یہ ہے کہ میں تمہاری خیرخواہی کرتا رہوں، تمہیں نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں، قومی سرمایہ سے زیادہ تمہیں فائدہ پہنچاؤں اور تمہاری تعلیم وتربیت کی پوری پوری کوشش کروں، تاکہ تم جاہل اور غیر تربیت یافتہ نہ رہو۔'' (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید، ج ۲ ص ۱۸۹)

معلوم ہوا کہ حکومت اسلامیہ کو تعلیم وتربیت کا صرف علمبردار ہی نہ ہونا چاہئے، بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم یافتہ بنانے اور ہر طرح کی جہالت سے مقابلہ کرنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دے، ایسے انتظامات کرے کہ افراد قوم مفت تعلیم حاصل کرکے اپنے پیروں پر کھڑے ہوجائیں، وہ اس اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کسی رُخ اور کسی زاویہ سے اسلام دشمن عناصر کے محتاج نہ ہوں، ورنہ خود مسلمان باطل کے ہاتھوں کو مضبوط کریں گے، انھیں طاقتور بنانے کا سبب بنیں گے جو قانونِ

اسلامی کے خلاف، یعنی حرام ہے۔

پیشوایانِ اسلام کا مثالی رویّہ

قرآن وحدیث کے علاوہ راہنمایان اسلام کی سیرت طیبہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام تمام ایسے علوم کا طرفدار ہے جو مسلمانوں، بلکہ تمام انسانوں کے سماج کے لئے فائدہ مند ہوں، بشرطیکہ انکا رابطہ کسی نہ کسی زاویہ سے خدا کی ذات سے قائم ہوجائے، وہ علوم خواہ فزکس، کیمسٹری، ریاضی، جیولوجی، انتھرولوجی، سائیکلوجی کے نام سے یاد کئے جائیں، یا انھیں تفسیر، حدیث، تاریخ اور عقائد کہا جائے۔

یہ جاننے کے لئے کہ پیشوایانِ اسلام نے بلا استثناء تمام مفید علوم وفنون کے حاصل کرنے کی طرف افرادِ انسانی کو متوجہ کیا ہے، صفحات تاریخ سے چھانٹ کر چند مندرجہ ذیل نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

ا۔ جب جنگ بدر کا خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کامیابی پر ہوا تو مشرکین کی ایک جماعت اسیر بنا کر مدینہ لائی گئی۔ ان کے درمیان کچھ ایسے نادار اشخاص بھی تھے، جن کے پاس اپنے کو آزاد کرانے کے لئے روپیہ نہیں تھا، لیکن وہ پڑھے لکھے لوگ تھے۔ ان کے برعکس مدینہ کے مسلمانوں، یعنی جماعت انصار کے درمیان کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو لکھنا پڑھنا جانتا ہو۔ اس صورت حال میں پیغمبر اسلامؐ نے حکم دیا کہ ان قیدیوں میں سے ہر ایک دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا کر اپنے آپ کو آزاد کرا سکتا ہے۔ انھوں نے آنحضرتؐ کے حکم کو مانتے ہوئے اسی کے مطابق عمل کیا، چنانچہ زید ابن ثابت انصاری نے اسی پیغمبر اسلامؐ کے قائم کردہ مکتب میں لکھنا پڑھنا سیکھا تھا۔ (جہان اسلام، ص۶)

۲۔ صحیح بخاری میں انہی زید ابن ثابت کی ایک روایت نقل کی گئی ہے:

ان کا بیان ہے کہ کچھ صحابہ کے ہمراہ میں آنحضرتؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوا۔ میرے ساتھیوں نے آنحضرتؐ سے کہا کہ یہ شخص ''بنی نجار'' سے تعلق رکھتا ہے اور اسے قرآن مجید کے سترہ سورے یاد ہیں، چنانچہ میں نے پیغمبر اسلامؐ کے حضور میں ان سورتوں کی تلاوت کا شرف حاصل کیا، جنھیں سن کر آنحضرتؐ خوش ہوئے اور مجھے حکم دیا کہ میں یہودیوں کی زبان اور ان کے خط کو سیکھوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان کی دیانت داری پر بھروسہ نہیں ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں ان سے کام لوں تو کہیں میرے خطوط میں اپنے مفیدِ مطلب کوئی تحریف نہ کردیں، میں کچھ بولوں اور وہ لکھ کچھ دیں۔ زید ابن ثابت کہتے ہیں میں نے حکم رسولؐ کی تعمیل کرتے ہوئے بہت تھوڑے عرصہ میں سریانی خط کو سیکھ لیا اور میں کاتب رسولؐ قرار پا گیا۔ میں سریانی رسم الخط میں یہودیوں کے نام پیغمبر اسلامؐ کے خطوط لکھنے لگا، نیز آنحضرتؐ کے نام جو اُن کے خطوط آتے تھے میں ہی ان کا عربی زبان میں ترجمہ بھی کیا کرتا تھا۔ [1] (فجر الاسلام، ج ا ص ۱۴۲)

۳۔ تاریخ ان کثیر التعداد اشخاص کی نشاندہی کرتی ہے جنھوں نے ائمہ اہلبیتؑ سے کسب فیض کیا انہی میں سے ایک جابر ابن حیان کی ممتاز شخصیت تھی، جو حضرت امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں سے تھے۔ انھیں علوم طبیعیہ میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ ان کے قلمی آثار کے متعلق مورخین کسی ایک نقطہ پر متفق نہیں ہیں۔ بعض نے ان کی تعداد ۲۳۲ اور بعض نے ۳۹۰۰ تک بتائی ہے۔

(اعیان الشیعہ، ج۱۵)

اگرچہ جابر ابن حیان کی بہت سی کتابیں تلف ہوگئی ہیں، لیکن اس کے باوجود ان کی بہت بڑی تعداد دنیا کے بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں کا زندہ زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے جن سے یورپ کی قومیں فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ ان کتابوں میں سے ایک کا نام ''نتائج التکمیل''

(۱) اس واقعہ سے یہ تصور نہ ہونا چاہئے کہ معاذ اللہ آنحضرتؐ قرأت وکتابت نہیں جانتے تھے، کیونکہ عدیم الفرصت اشخاص کے یہاں منشیوں اور کاتبوں کے رکھے جانے کا رواج عام ہے۔ اس کے علاوہ قرأت وکتابت سے واقفیت کا اظہار قرآن کی مصلحت اعجاز کے لئے مضر تھا، اس لئے حضرت خود نہیں لکھتے پڑھتے، بلکہ دوسروں سے لکھواتے اور پڑھواتے تھے۔

ہے جس ترجمہ فرانسیسی زبان میں ۱۶۷۲ء میں کیا جا چکا ہے۔

جابر ابن حیان کو "کیمسٹری کا باپ" کہا جاتا ہے۔ ان کے لئے جرجی زیدان نے مندرجہ ذیل گرانقدر الفاظ لکھے ہیں:

هو الحجة الشرقي على الغربي الى ابد الدهر۔

(ان کی شخصیت یورپین اشخاص کے اوپر مشرقی لوگوں کی فوقیت کا ایک ابدی اور جاودانی نشانی ہے)۔

صرف یہی نہیں کہ جابر ابن حیان کے پاس کیمسٹری، فزکس اور باٹنی کے وسیع معلومات تھے، بلکہ انھیں اپنے زمانے میں بہت سے علوم وفنون کے لحاظ سے امتیاز حاصل تھا۔ اسی لئے ان کا لقب "پدرِ کیمیا" قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر گوستاوے لیبون (Dr. Gustave Lebon) ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"علماء اسلام میں سب سے مشہور اور سب سے مقدم جابر ابن حیان ہیں۔ ان کے تصانیف ایک سائنسی دائرۃ المعارف (Encyclopedia) کی حیثیت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے تمام کیمیاوی مسائل پر حاوی ہیں۔ ان کتابوں میں ایسے ترکیبات (Compounds) کا ذکر ہے جو پہلے کسی کو معلوم نہیں تھے۔" (تمدن اسلام وعرب، ص ۶۱۴-۶۱۲)

جابر ابن حیان کی اس عظیم شخصیت کے متعلق قابل لحاظ بات یہ ہے کہ تمام مورخین کا متفقہ بیان ہے کہ انھوں نے یہ تمام سائنسی معلومات حضرت امام جعفر صادقؑ سے حاصل کئے تھے۔ ان کے تمام تصنیفات حضرت کی نگرانی میں مکمل ہوئے ہیں۔ ان کے نوشتہ جات میں کبھی آپ کچھ بڑھا دیتے اور کبھی کچھ کم کر دیتے تھے۔ (الامام الصادق ملہم الکیمیا، ج ۴)

۲۔ صحت اور تندرستی

انسان کے پاس سب سے بڑا سرمایہ صحت اور تندرستی ہے۔ اسلام ہر طرح کی بیماری سے جنگ کرتا ہے۔ وہ فلاسفۂ یونان کا ہم خیال نہیں ہے جو انسان کی خوش بختی کا دارومدار صرف اس کے نفسانی فضائل واخلاق کو قرار دیتے تھے۔ ان کے نزدیک وہ شخص خوش قسمت ہے جس کی ذات میں یہ فضائل پائے جاتے ہیں، چاہے وہ اس کے ساتھ تمام جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہو۔ (طہارۃ الاعراق لابن مسکویہ، ص ۷۸)

چونکہ اسلام انسان کی صحت اور تندرستی کا خواہاں ہے، اس لئے اس نے پیش بندی اور احتیاط کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اس نے حفظانِ صحت کے لئے ایسے جاودانی اصول بتائے ہیں۔ جنھیں ملحوظ رکھنے کے بعد انسان بیمار ہی نہیں ہوسکتا۔

چونکہ خدا نے احکامِ شرعیہ کی ذمہ داری ایسے شخص پر ڈالی ہے جو عقلِ سلیم رکھتا ہو اور عقلِ سلیم اسی کے پاس ہوسکتی ہے جو جسمانی طور پر صحیح وسالم ہو، اسی لئے خدا کی حکمت ورحمت کا تقاضہ ہے کہ قرآن مجید اور راہنمایان دین لوگوں کو اُن کی جسمانی صحت کی طرف متوجہ کریں، بلکہ اس کے لئے ویسا ہی اہتمام کیا جائے جیسا کہ احکامِ شرعیہ کے واسطے کیا گیا، کیونکہ ان کی بجا آوری لوگوں کی صحت پر موقوف ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے اپنی ایک چھوٹی سی آیت میں حفظانِ صحت کے تمام راہنما اصولوں کو سمیٹ کر بیان کر دیا ہے، ایسے اصول کہ جن تک بڑے بڑے اطبّاء اور فلاسفہ کے دماغ بہت سی صدیاں گذر جانے کے بعد پہنچے ہیں۔

ارشادِ قرآنی ہے: "کسی بھی مسجد میں جاتے وقت اپنے کو سنوار لو، تم ضرور کھاؤ اور پیو، لیکن بے اعتدالی نہ کرو، کیونکہ خدا بے اعتدالی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔" (سورۂ اعراف: ۳۱)

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے: "معدہ ہر بیماری کا گھر، پرہیز تمام دواؤں کے سرِفہرست ہے اور ہر جسم کو ایسی چیز پہنچاؤ جس کا اسے عادی بنایا گیا ہے۔" (طب الامام الصادقؑ)

امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: "بھوکے دسترخوان پر بیٹھو اور بھوکے اس سے اُٹھو، لقمہ کو اچھی طرح چباؤ، جب سونے کا ارادہ کرو تو پہلے استنجا کرلو۔ اگر تم ان باتوں پر عمل کروگے تو تمہیں کسی حکیم ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔" (طب الامام الصادقؑ)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "تین ایسی چیزیں ہیں کہ وہ

جس شخص میں بھی ہوں خدا اس سے نفرت کرتا ہے۔ (۱) رات کو بغیر جاگے ہوئے، دن میں سونا (۲) بے محل اور بے موقع ہنسنا (۳) پیٹ بھرے ہونے کے باوجود کھانا کھانا۔'' (طب الامام الصادق)

نیز انہی حضرت کا ارشاد ہے: ''ناوقت کوئی چیز نہ کھاؤ کہ اس سے معدہ کمزور ہوجاتا ہے۔'' (طب الامام الصادق)

ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں شکایت کی کہ میرے پیٹ میں درد ہوتا ہے اور معدہ ٹھیک کام نہیں کرتا۔ یہ سن کر امامؑ نے ہدایت فرمائی: ''بس دو وقت کھانا کھانے کے لئے مقرر کرلو، صبح اور شام۔ ان کے درمیان ہرگز منہ نہ جھٹلاؤ۔'' (طب الامام الصادق)

ایک عام، ہمہ گیر ابدی اصول کے طور پر آپ نے فرمایا: ''لوگ اگر اپنے کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیں تو ان کی جسمانی صحت بالکل ٹھیک رہے۔''

اب اگر کوئی شخص بیمار ہی پڑ جائے تو اُسے فوراً حکیم ڈاکٹر کے پاس نہ چلا جانا چاہئے۔ خداوند عالم نے ہر شخص کے خود جسم میں بیماری کو دور کرنے کی قوت ودیعت فرمائی ہے، اسے بیماری سے مقابلہ کرنے کا موقع دینا چاہیے۔

اس سلسلے میں امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے فرمایا: ''بیماری سمیت تمہیں چلتے پھرتے رہنا چاہئے جب تک وہ تمہیں چلا پھرا سکے۔'' (نہج البلاغہ، کلمات قصار)

اسی سے ملتی جلتی بات حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمائی: ''جب تک تمہارا جسم بیماری کو برداشت کرسکے دوا کھانے سے پرہیز کرو۔'' (طب الامام الصادقؑ)

یہ مریض کی صحت وسلامتی کا مقدم کرنا نہیں ہے تو کیا ہے کہ اسلام نے انسان کو اجازت دے دی ہے اگر ضروری ہو تو وہ ہر طرح کے واجباتِ شرعیہ ترک کرسکتا ہے۔ اس کی طرف سے بیماری سفر اور بڑھاپے کے زمانے میں انسان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے، بلکہ اگر نقصان کرنے کا ڈر ہو تو اتنا ہی نہیں کہ روزہ واجب نہیں، بلکہ وہ شرعی طور پر حرام ہوجاتا ہے۔ حج اسی صورت میں واجب ہوتا ہے، جب کہ آدمی کی صحت اجازت دے کہ مکہ معظّمہ جا کر حج بجالاسکتا ہو۔

یہ سب کچھ اسی لئے ہے کہ اسلام کی نظر میں انسان کی صحت اور تندرستی اس کا بہت قیمتی سرمایہ ہے۔ وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جس کے پاس تندرستی کی نعمت ہو۔ بغیر اس کے آدمی کچھ نہیں کرسکتا۔ تحصیل علم تندرستی چاہتی ہے، محنت ومزدوری تندرستی چاہتی ہے، راہِ حق میں جہاد تندرستی کا طالب ہے۔ اسلام اس سلسلے میں اتنا آگے بڑھا کہ اس نے انسان کی جسمانی صحت کو دین کی صحت وسلامتی کا پیش خیمہ قرار دے دیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان جس طرح بھی بیماری کو دُور کرسکتا ہو، دور کرے۔

۳۔ اطمینان اور خوش حالی

اسلام ہرگز اپنے ماننے والوں کو کسی بھی وجہ سے تنگدست اور پریشان حال نہیں دیکھنا چاہتا۔ پریشان حالی اور تنگدستی کے گوناگوں اسباب ہیں۔ اسلام نے اُن سب کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۔ دنیا سے بے تعلق: اسلام کے نزدیک انسانیت کے دو پہلو ہیں، ایک مادّی اور دوسرا روحانی۔ جس طرح انسان کی روحانی صلاحیتوں کے ارتقا کے لئے مخصوص اعتقادات اور اخلاقیات کی ضرورت ہے، اسی طرح اس کے مادی پہلو کے پھلنے پھولنے کے واسطے مخصوص کاموں اور کوششوں کی ضرورت ہے۔

اگرچہ انسان کی طویل تاریخ زندگی کے مطالعے اور روزمرّہ کے مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ان پہلوؤں کے لحاظ سے کبھی حدِاعتدال سے آگے بڑھ گیا ہے اور کبھی پیچھے رہ گیا ہے۔ کسی دور میں تمام انسانوں نے راہِ اعتدال اختیار نہیں کی ہے۔

ایک طرف تارک الدنیا، رہبانیت پسند افراد کا گروہ ہے جس نے انسان کے جسمانی اور مادی پہلو کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں۔ ان لوگوں کی گزر بسر کا ذریعہ جنگلوں میں خود بخود اُگ آنے والے پودے، اُن کے پھل اور پھول پتیاں ہیں۔ وہ اپنے جسم موٹے جھوٹے پھٹے پرانے کپڑوں سے ڈھانک لیتے ہیں۔ ان کا کوئی مخصوص گھر نہیں ہے۔ جہاں سر چھپانے کے لئے جگہ پائی، وہیں رہنے سہنے لگے۔

یہ طبقہ اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ وہ انسان کی خوش بختی کی بنیادی شرط ہی یہ قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے جسم کو تکلیفیں پہنچائے۔ اس کا خیال ہے کہ جتنا جتنا جسمانی خواہشوں کو کچلا جائے گا، جتنا جتنا اس دنیا کی نعمتوں سے منہ موڑا جائے گا اُتنا اُتنا روح کا درجۂ ارتقاء اونچا ہوتا جائے گا، انسان کی سعادت اور خوش قسمتی کے سرمائے میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس طبقہ کے نزدیک روح کے طاقتور بنانے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس کی نظر میں وہ لوگ حقیر اور ذلیل ہیں جو اس دنیا میں رہ کر اپنے ماڈی ضروریاتِ زندگی کے فراہم کرنے کی طرف متوجہ ہیں۔

اس طبقہ کے برعکس ایک دوسرا گروہ ہے جس نے انسان کے روحانی پہلو کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ اس کی پوری توجہ انسان کے ماڈی پہلو کی طرف ہے۔ وہ ان تمام چیزوں کا مذاق اُڑاتا ہے جن کا روح اور روحانیت سے تعلق ہے۔

ڈاکٹر اےلیکسس کارل (Dr. A. Lexis Carrel) لکھتے ہیں: ''ہم اپنے جسم وروح کی بنیادی ضرورتوں کی طرف توجہ کئے بغیر زمانے کے راستے پر آگے بڑھتے چلے جارہے ہیں۔ ہم لوگ یہ سمجھنا ہی نہیں چاہتے کہ ہمیں اس طرح زندگی بسر کرنا چاہئے کہ ہم اپنے فطری تقاضوں کو بھی سمجھیں اور دوسری چیزوں کے فطری تقاضوں کو بھی۔'' (انسان موجود ناشناختہ)

جب کہ انسان مادی اور روحانی دونوں طرح کے فطری میلانات کا مجموعہ ہے تو پھر اس کی خوش قسمتی کا دارومدار جسم اور روح دونوں کا لحاظ رکھنے کے اوپر ہے۔ کسی ایک کو لے کر دوسرے کو چھوڑ دینا تقاضۂ فطرت کے خلاف ہے۔

اسلام کی راہ اعتدال

اسلام ایک ہمہ گیر اور درمیانی راستے کا نام ہے۔ اس کی تعلیمات میں بے نظیر جامعیت ہے۔ اس نے انسان کے اوپر ان تمام حقیقتوں سے سمیت نظر کی ہے جو اس کے وجود میں چھپی ہوئی ہیں۔ اس نے اس کے مادی وروحانی، ظاہری وباطنی تمام تقاضوں کا لحاظ کیا ہے۔

قرآن مجید نے ماڈی لذتوں سے کنارہ کشی کی حمایت نہیں کی ہے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو پکار کر ہدایت فرمائی ہے:

''اے ایمان لانے والو! پاک وپاکیزہ کھانے کی چیزیں جنھیں خدا نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے، تم انھیں اپنے اوپر حرام نہ قرار دے لو۔ ایسے ہی جو حلال چیزیں خدا نے تمہیں دے رکھی ہیں، انھیں شوق سے نوشِ جان کرو۔'' (سورہ مائدہ:۸۸-۸۷)

قرآن کریم نے یہ عام اصول دنیا کو بتایا ہے کہ پختہ ایمان اور سچا دین انسان کو دنیا میں بھی خوش حال بنانے کا ذمہ دار ہے۔ اس کی آیتوں سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ مومن ہونے کا نتیجہ ہی یہ ہے کہ انسان دنیوی لحاظ سے بھی خوشحال ہو اور اخروی لحاظ سے بھی۔

''اور اگر اس زمین پر بسنے والے ایمان لے آتے، نیز اس کے احکام کی پیروی کرتے تو زمین وآسمان کی برکتوں کے دروازے ہم اُن کے لئے کھول دیتے، لیکن انھوں نے دل کھول کر حقیقتوں کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کی بدکرداری کی وجہ سے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا۔'' (سورۂ اعراف: ۹۶)

قرآن انسان کی بداعمالیوں سے باز آجانے کے عزم اور مضبوط ارادے کو خدا کی نعمتوں کے نازل ہونے کا موجب قرار دیتا ہے:

''اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے اپنی بخشش کی بھیک مانگو، پھر اپنے کرتوت پر پشیمان ہوکر اپنے دل میں ٹھان لو کہ اب گناہ نہیں کروگے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خدا تمہارے لئے برستے ہوئے بادلوں کو بھیجے گا، تمہاری طاقت کو بڑھادے گا، تم مجرم اور گناہگار بن کر اس کی طرف سے منہ نہ پھراؤ۔'' (سورۂ ھود: ۵۲)

اسلام وہ دین ہے جس کے نزدیک پریشاں حالی اور تنگدستی یادِ خدا سے منہ پھیر لینے کا نتیجہ ہے:

قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

پس جو شخص میری ہدایت کے راستے پر چلے گا، وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدبخت، اس کے برخلاف جو شخص میری یاد سے روگردانی کرے گا، وہ یقیناً بہت تنگی کے ساتھ زندگی گزارے گا۔''

(سورہ طٰہٰ ۱۲۹، ۱۲۸-)

اسلام صحیح آسمانی ادیان میں آخری دین ہے۔ اس نے انسان کا فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کا لحاظ کرے۔ اسی صورت میں وہ بہتر زندگی بسر کرسکتا اور اس کی کشتیٔ حیات افراط وتفریط کے تباہ کن طوفان سے بچ سکتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی نظر میں اس دنیوی زندگی کے تمام دل کش جلوے ناپائیدار اور وہ روحانی اقدار کے مقابلے میں ناقابلِ توجہ ہیں۔ اس کے برخلاف آخرت کا سرمایۂ زندگی پائیدار اور انتہائی قیمتی ہے۔

ارشادِ قرآنی ہے: ''اور یہ دنیوی زندگی تو بس کچھ دن کا ایک کھیل ہے، اگر لوگوں کی سمجھ میں آئے تو زندگی بے شک آخرت کی زندگی ہے۔'' (سورۂ عنکبوت: ٦٤)

اس واقعیت اور حقیقت کے باوجود قرآن کا نقطۂ نظر یہ ہے:

''اور جو خدا نے تجھے عطا کر رکھا ہے اسی کے بیچوں بیچ آخرت کے گھر کا بھی دھیان رہے اور دنیا میں تیرا جو حصہ مقرر کیا گیا ہے، اسے بالائے طاق نہ رکھ، اللہ نے جس طرح تیرے ساتھ بھلائی کی ہے ویسے ہی تو بھی دوسرے کے ساتھ بھلائی کر، خدا کی زمین میں فساد نہ کرتا پھر، کیونکہ بے شک وہ اس کو پسند نہیں کرتا ہے۔'' (سورۂ قصص: ٧٧)

قرآن کے بعد حدیث

پیغمبر اسلامؐ کو بتایا گیا کہ عثمان ابن مظعون، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن مسعود اور قدامہ نے اچھی چیزیں کھانا پینا چھوڑ دی ہیں، وہ عورتوں سے دور رہتے ہیں اور دوسری خوشگوار چیزوں سے انھوں نے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ دن میں روزے رکھتے اور راتوں کو نہیں سوتے ہیں۔ جس طرح پادری اپنے گرجا میں اسی طرح یہ لوگ خاص خاص جگہوں پر بس عبادتِ خدا کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے لوگوں سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔ حضرت نے ان کی حالت سن کر قرآن کی یہ آیت پڑھی:

یَاۤاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوْا لَاتُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤاَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ۔ (سورۂ مائدہ: ٨٧)

پھر مزید ارشاد فرمایا: ''میں روزہ رکھتا اور اس کو ناغہ بھی کردیتا ہوں۔ نماز پڑھتا اور اس کے ساتھ سوتا بھی ہوں۔ عورتوں سے الگ بھی نہیں رہتا ہوں۔ تم سے پہلے ایسے لوگ ہلاک ہوگئے جو بلاوجہ اپنے کو زحمت اور مشقت میں مبتلا کرتے تھے۔ ایسے اشخاص اب بھی تمہیں گرجاؤں میں دکھائی دیں گے اس شخص سے میرا کوئی تعلق نہیں جو عورتوں سے علیحدہ رہے اور ترکِ لذات کے نقطۂ نظر سے گوشت نہ کھائے، لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دے، کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے۔''

امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو اطلاع دی گئی کہ عاصم ابن زیاد تارک الدنیا ہوگئے ہیں۔ آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان سے فرمایا:

تم اپنی جان کے دشمن ہوگئے ہو، گمراہ کن خیالات تمہارے ذہن پر چھا گئے ہیں۔ تمہیں کیوں نہیں اپنے بال بچوں پر ترس آتا۔ تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ خدا کو یہ پسند نہیں ہے کہ تم ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ جو اس نے تمہیں دے رکھی ہیں۔'' (نہج البلاغہ)

ابن ابی یعفور کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے کہا: ''خدا کی قسم میں طالبِ دنیا ہوں۔''

حضرت نے دریافت کیا: ''دنیا کے حاصل کرنے سے تمہارا مقصد کیا ہے؟''

اس شخص نے کہا: ''میرا مقصد یہ ہے کہ میرے بال بچے دوسروں کے محتاج نہ ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کروں، خدا کی راہ میں خیرات دوں، حج وعمرہ بجالاؤں۔''

یہ سن کر حضرت نے فرمایا: ''یہ طلبِ دنیا نہیں، بلکہ طلبِ آخرت ہے۔'' (فروع کافی، ج۵)

نیز انہی بزرگوار کا ارشاد ہے: ''دنیا آخرت کی بہترین یار و مددگار ہے۔'' (فروع کافی، ج۵)

محمد ابن نصر کہتے ہیں کہ حضرت امام علی رضاؑ نے مجھ سے پوچھا

کہ اچھی اورخوشنما پوشاک کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

میں نے عرض کیا کہ مجھ سے اس طرح بتایا گیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ اچھی پوشاک پہنتے تھے اور حضرت امام جعفر صادقؑ نئے نئے کپڑے خرید کر انھیں زیب جسم کرتے تھے۔ یہ سن کر حضرت نے فرمایا:

''عمدہ اورخوشنما لباس پہنو، کیونکہ حضرت امام زین العابدینؑ ایسا جبّہ پہنتے تھے جس کی قیمت پانچ سو درہم تھی اور اسی طرح پچاس دینار کی قیمتی عبا اوڑھتے تھے۔ جب جاڑے کا موسم گذر جاتا تو اسے بیچ ڈالتے اور اس کی قیمت راہِ خدا میں خیرات کردیتے تھے۔'' (وسائل الشیعہ، ج۱)

خلاصہ یہ کہ اسلام صرف یہی نہیں کہ دنیوی تعلقات کے برقرار رکھنے اور خالص مادی جذبات کی پیاس بجھانے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اعتدال اور توازن قائم رکھنے کی صورت میں اس کو انسان کی خوش قسمتی کا ایک اہم سبب قرار دیتا ہے۔

البتہ وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ انسان اپنے کو محدود لذتوں اور مادی میلانات کی چار دیواری میں اسیر کرلے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی کا مفہوم بس کھانا پینا، رہنا اور پہننا قرار پاجائے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ اسلام کی نظر میں مادّی خواہشوں کو پورا کرنا اس حد تک جائز ہے جو اس کے لئے کسی پہلو سے ضرررساں نہ ہو، وہ سماج کو گندہ اور آلودہ نہ بنائے۔

یہ ہے دین ودنیا کے سلسلے میں وہ درمیانی، معتدل اور متوازن راستہ جس پر اسلام انسانی قافلہ کو چلانا چاہتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دنیا کو اسی زاویۂ نظر سے دیکھیں اور اپنی عملی زندگی میں اس کی پابندی کریں۔

۲۔ کاہلی اور نکمّہ پن: اسلام کا مقصد یہ ہے کہ دنیا اور دین کو یکجا کرکے ایک اعتدال پسند قوم کو وجود میں لائے۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو اس طرح محنت ومشقت اور کام کرنے پر آمادہ کرنا چاہا ہے جس کا ہم تصور تک نہیں کرسکتے۔ اس کا اعلان ہے کہ خدا ایسے اشخاص سے بغض رکھتا ہے جو محنت نہیں کرتے اور نکمّے ہیں، جن کا مستقل شعار کاہلی اور سستی ہے۔ وہ دن رات سوتے اور بیکار گھومتے رہتے ہیں۔

اسلام میں محنت ومشقت کرنے اور اپنی روزی اپنی قوتِ بازو سے کمانے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اس نے کبھی تحریف شدہ آسمانی ادیان کی طرح لوگوں کو بیکاری اور کاہلی پر آمادہ نہیں کیا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ ہر شخص اپنی اس چندروزہ زندگی میں کمرِ ہمت کس کر کسی نہ کسی کام میں جُٹ جائے، ورنہ جب تک انسان اپنی عمر کی اس مختصر مہلت میں محنت ومشقت نہیں کرے گا، ہرگز ہرگز وہ نہ اس دنیا میں خوش قسمت ہوسکے گا اور نہ اس عالمِ آخرت میں۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''خدا وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کردیا ہے، تم اس کے کاندھوں پر راستہ چلو اور اس کی روزی سے اپنا پیٹ بھرو۔'' (سورہ ملک:۱۵)

دوسری جگہ فرمایا: ''پس جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو زمین میں اِدھر اُدھر پھیل جاؤ اور خدا کی عنایت سے اپنی روزی تلاش کرو۔'' (سورۂ جمعہ:۱۰)

اسلام کا عقیدہ ہے کہ جس طرح اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ حرکت کررہا ہے، کوئی چیز بھی ساکن نہیں ہے، اسی طرح انسان جو تمام موجوداتِ عالم کے درمیان اشرف اور ممتاز ہے، اسے محنت ومشقت کرنے میں کسی سے پیچھے نہ رہنا چاہئے۔ اس کے لئے یہ عار و ننگ ہے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے، سماج کے اوپر ایک بوجھ بن جائے۔

پیشوایانِ اسلام نے لوگوں کو محنت ومشقت کرنے کی طرف توجہ دلانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ انھوں نے انتہائی سخت الفاظ میں دل کھول کر کاہلی اور سستی کی مذمت کی۔ بہترین انداز سے انھیں کام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: ''خدا کی رحمت سے وہ شخص محروم اور دور ہے، جو لوگوں کے کاندھوں پر اپنی گزر بسر کا بوجھ ڈال دے۔''

''جو شخص اپنے بال بچوں کے لئے محنت ومشقت کرکے

حلال روزی حاصل کرے وہ راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کے مانند ہے۔'' (فروع کافی، ج۵)

ایک دن آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے ہمراہ ایک کھیت کے پاس سے گزرے۔ انھوں نے دیکھا کہ ایک طاقتور جوا پنی پوری قوت کے ساتھ کام کر رہا ہے۔ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص نے اُس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا جو دین کے حقیقی مفہوم کو نہیں سمجھا تھا کہ کاش یہ جوان جو جان توڑ محنت اپنی دنیا بنانے کی خاطر کر رہا ہے، اسے اپنی آخرت کو سنوارنے کے واسطے کرتا۔

آنحضرتؐ نے یہ سن کر فرمایا: ''تم سے بڑی چوک ہوگئی، کیونکہ اگر یہ جوان اس لئے محنت کر رہا ہے کہ اپنی روزی اپنے کدّ یمین سے حاصل کرے، دوسروں کے کاندھے کا بوجھ نہ بنے، کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرے تو اس کی یہ محنت خدا کی بہت بڑی عبادت ہے۔ اگر اس کی نیت یہ ہے کہ مالِ دنیا حاصل کر کے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرے گا، بیوہ عورتوں، از کار رفتہ بوڑھوں اور یتیم بچوں کی خبر گیری کرے گا تو خدا اسے روزِ قیامت پیغمبروںؑ کی صف میں قرار دے گا لیکن اگر اس محنت ومشقت کا مقصد یہ ہے کہ دولت حاصل کرنے کے بعد دوسرے لوگوں پر فخر کرے تو اس کی پوری عمر شیطان کی عبادت میں گذرے گی۔'' (دستورات زندگی)

جب یہ آیۂ قرآنی نازل ہوئی ''ومن یتق اللّٰہ''، تو بعض اصحابِ رسولؐ نے اپنی دوکانیں بند کردیں اور خدا کی عبادت میں لگ گئے، وہ کہنے لگے کہ خدا ہماری گزر بسر کا ذمہ دار ہوگیا ہے۔ جب یہ خبر آنحضرتؐ تک پہنچی تو آپ نے ان لوگوں کو بُلا کر اُن سے فرمایا: کیوں تم نے ایسا رویہ اختیار کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: حضور! خداوند عالم نے ہماری روزی کی ذمہ داری لے لی ہے اس لئے ہم نے پورا وقت اس کی عبادت میں صرف کرنا شروع کر دیا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''جو شخص ایسا کرے گا اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ تمہارا فریضہ ہے کہ تم اپنی روزی خود حاصل کرو۔ پھر آپ نے مزید فرمایا: میں اس شخص کا دشمن ہوں جو بس دُعا کے لئے خدا کی بارگاہ میں اپنا منہ کھول دے اور کہے کہ بارالٰہا: مجھے روزی عطا فرما، وہ خود اپنی روزی تلاش کرنا چھوڑ دے۔ ایسا شخص ملعون ہے، ملعون۔'' (دستورات زندگی)

حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے: ''جو شخص دوسرے اشخاص سے بے نیاز ہونے کے لئے اپنے بال بچوں کے آرام سے بسر کرنے کی خاطر، اپنے پڑوسیوں کی دل جوئی کی غرض سے اس دنیا میں رہ کر اپنی روزی حاصل کرنے کے واسطے اپنے گھر سے نکل کر کہیں روانہ ہو، اس کا چہرہ روزِ قیامت اپنے خدا سے ملاقات کے موقع پر چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکے گا۔''
(کافی، کتاب المعیشۃ)

پانچویں امامؑ نے لوگوں کو متنبہ کیا ہے: ''میں اس شخص کا دشمن ہوں جو دنیا سے متعلقہ کاموں میں کاہلی اور سستی کرے۔ آگاہ ہوجاؤ کہ جو آدمی اپنے دنیوی کاموں میں کاہلی کرتا ہوگا، وہ بے شک اپنی آخرت سے متعلق کاموں میں زیادہ کاہل اور سُست ہوگا۔ (فروع کافی، ج۵)

امام جعفر صادقؑ نے لوگوں کو غیرت دلاتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم لوگ چیونٹی سے بھی زیادہ کمزور اور پست ہمت ہو۔ یہ چھوٹا سا حقیر جانور انتہائی کوشش کر کے اپنی غذا جوں توں اپنے بل تک پہنچاتا ہے۔ وہ اپنی روزی حاصل کرنے میں رتّی بھر کوتاہی نہیں کرتا ہے۔'' (کافی، کتاب المعیشۃ)

نیز آپ کا ارشاد ہے: ''یقیناً زیادہ سونے اور بہت بیکار رہنے سے خدا کو بغض ہے۔'' (فروع کافی، ج۵)

معصومؑ نے آگاہ فرمایا: ''اپنے کاموں کے انجام دینے میں سستی اور کاہلی سے کام نہ لو، کیونکہ یہ دونوں چیزیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ خوش حالی اور خوش قسمتی سے محروم رکھتی ہیں۔''
(کافی، ج۵)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اعلان کیا: ''جس شخص کو اپنے لئے مال جمع کرنے کا شوق نہ ہو کہ اس کے ذریعہ اپنی آبرو

کی حفاظت کرے اپنے قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرے، اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے، وہ ہر خیر وخوبی سے محروم ہے۔'' (فروع کافی، ج۵)

خود راهنمایان اسلام میدانِ عمل میں

تمام انبیاؑء واولیاء محنت ومشقت کرکے زندگی بسر کرتے تھے۔ جنابِ آدمؑ ولوطؑ کھیتی باڑی کرتے، جناب ابراہیمؑ گوسفندیں پالتے اور انھیں چراتے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے جناب شعیبؑ کے پاس رہ کر کئی سال تک ان کی مزدوری کی۔ حضرت ادریسؑ درزی، حضرت نوحؑ بڑھئی، جناب ہودؑ ایک بیوپاری تھے۔ (دستورات زندگی)

امام جعفر صادقؑ نے ابی قبرہ سے فرمایا: ''امیرالمومنینؑ پھڑوہ چلاتے اور زمین کھودتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کھجور کی گٹھلیاں خود زمین میں بویا کرتے تھے۔ حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے ایک ہزار غلام خود محنت مزدوری کرکے راہِ خدا میں آزاد کئے۔'' (فروع کافی، ج۳)

ایک شخص امیرالمومنینؑ کے حضور میں شرفیاب ہوا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت کھجور کی گٹھلیوں کے ایک بڑے سے گٹھر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا چیز ہے جس پر آپ تشریف فرما ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو ایک لاکھ خرمے کے پھلدار درخت ہیں۔ اس کے بعد حضرت نے وہ سب گٹھلیاں ایک ایک کرکے زمین میں بو دیں، اُن میں سے ایک گٹھلی بھی نہیں چھوڑی۔'' (فروع کافی، ج۵)

اہلبیتؑ رسولؐ سے منحرف ایک شخص نے دیکھا کہ تڑاقے کی گرمی کے دن میں حضرت امام محمد باقرؑ اپنے دو غلاموں کے دوش پر ہاتھ رکھے کہیں جارہے ہیں۔ ایک شخص نے حضرت سے کہا کہ تم بوڑھے ہو چکے اور قبیلہ قریش کے شرفاء میں سے ہو۔ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے کہ تم اس وقت طلبِ دنیا کے لئے اپنے گھر سے باہر نکل آؤ۔ اگر اسی حالت میں تمہیں موت آجائے تو کیا کروگے؟

حضرت نے فرمایا کہ اگر اسی حالت میں مجھے موت آجائے تو وہ ایسے وقت آئے گی جب کہ میں خدا کی اطاعت میں مشغول ہوں اور اس لئے محنت کر رہا ہوں کہ میں خود اور میرے بال بچے تم سے اور دوسرے لوگوں سے سوال نہ کریں۔ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ مجھے موت ایسے موقع پر آئے جب میں خدا کی نافرمانی کر رہا ہوں۔

یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ میں نے تمہیں نصیحت کرنا چاہی تھی، لیکن تم نے اُلٹی مجھے نصیحت کردی۔

ابوعمرو ناقل ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرت امام جعفر صادقؑ ایک پرانا کپڑا پہنے ہوئے ہیں۔ اُن کے ہاتھ میں پھڑوا ہے جسے وہ اپنے باغ میں چلا رہے ہیں، پسینہ اُن کے جسم سے نکل رہا ہے۔ میں نے کہا کہ حضور میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ یہ پھڑوا مجھے عنایت فرمادیجئے میں یہ خدمت انجام دے دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اسے پسند کرتا ہوں کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں انسان اپنی روزی کمانے کے لئے محنت ومشقت کرے۔'' (دستوراتِ زندگی)

گذشتہ تمام مندرجات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ اسلامی نقطۂ نظر سے تمام لوگوں کا فریضہ ہے کہ وہ مفید علوم وفنون حاصل کریں۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو صحیح وتندرست دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا منشاء ہے کہ لوگ اپنے کدِّیمیں سے اپنی روزی کمائیں۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی گذر بسر کا انتظام کریں۔ اپنا بوجھ سماج کے کاندھوں پر نہ ڈالیں۔ صرف یہی نہیں کہ بیکاری اور بے روزگاری کسی قوم اور ملک کی اقتصادی حالت کو مفلوج کردیتی ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ لوگ اس کی وجہ سے دنیا اور آخرت دونوں جگہ کی سعادتوں سے محروم ہو جاتے ہیں، طرح طرح کی بلائیں انھیں اپنا نشانہ بناتی ہیں۔ یہی راز ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ عبادتِ خدا کے ستر حصے ہیں جن میں سب سے بہتر مال حلال کی تلاش سے مخصوص ہے۔

کیا ان اسلامی تعلیمات کی پیروی کے بعد ممکن ہے کہ مسلمانوں کا معاشرہ جہالت، بیماری اور تنگدستی کا شکار ہو؟ ہر گز نہیں۔

